بڑی وجہ یہ بھی تھی کہ دو عظیم جنگوں نے یورپ کو اس قابل بھی نہ چھوڑا تھا کہ وہ ان تمام نوآبادیات پر اپنا تسلط صحیح طور پر برقرار رکھتا۔

دوسرا نکتہ زیادہ اہم اور کثیر الجہت ہے اور اس کے کئی فکری پہلو ہیں جن پر ہم مختصراً گفتگو کریں گے۔ لیکن اس سے قبل چند اہم امور کا تذکرہ لابدی ہے:

۱- نوآبادیاتی یا استعماری نظام سیاسی اور اقتصادی لحاظ سے بہت تھا، اس معنی میں کہ سیاسی نظام میں جمہوریت اور جمہوری اداروں خاص طور پر پارلیمنٹ کو تمام دیگر اداروں پر فوقیت حاصل ہوتی ہے اور عوامی نمائندے ہی قانون سازی کرتے اور قانون کی تشریح بھی کرتے ہیں۔ اور یوں ''حکومت اور قانون سازی'' دونوں میں ''عوام'' کی شرکت مؤثر ہوتی ہے۔ یہ نظام نوآبادیات میں تو اس طرح مروج نہیں کیا گیا تھا جیسا کہ خود یورپ میں تھا لیکن ان کی نمائندگی ضرور موجود تھی۔ نیز یہ کہ ان نوآبادیوں میں انتخابات کے ذریعے اسمبلیاں وجود میں لائی جا رہی تھیں۔

۲- مغرب میں صنعتی انقلاب آ چکا تھا اس بل پر یورپی اقوام خوب ترقی کر رہی تھیں جبکہ نوآبادیاں مکمل طور پر مفلوج ہوتی جا رہی تھیں اور یہاں ایک تو صنعتیں تھیں نہیں دوسرے خام مال باہر جانے کی وجہ سے رہی سہی صنعتی پیداوار ختم ہو چکی تھی۔ مغربی معیشت سرمایہ دارانہ طرزِ فکر کے ساتھ ارتقاء پذیر تھی۔

۳- مغرب میں نشأۃ ثانیہ کے نتیجے میں سائنس اور ٹیکنالوجی کی جو ترقی ہوئی اس سے نوآبادیاں محروم تھیں پھر یہ کہ مغرب میں سائنسی دریافتوں کی وجہ سے بائبل پر ہونے والی تنقید نے بالعموم مذہب کو مسترد کر دیا تھا۔

۴- بعد ازاں فلسفیانہ اور فکری بنیادوں پر بھی مذہب کے استرداد کی سعی زوروں پر تھی۔

۵- مغرب میں مختلف نظریات (Ideologies) پروان چڑھ رہی تھیں جن میں سے ہر ایک کا دعویٰ تھا کہ اس کے پاس انسانوں کے تمام مسائل کا حل موجود ہے۔ سیاسی نظام ہے، اقتصادی نظام موجود ہے، اخلاقی نظام مذہب کی بجائے حقوق انسانی پر استوار ہو سکتا ہے۔ مذہب کی جگہ ''ریاستی قانون'' کو لینی چاہیے۔ وغیرہ وغیرہ۔

ان خاص اور اہم نکات کو ذہن میں رکھتے ہوئے مسلم نوآبادیوں کے بعد از آزادی (Post-independence) مسائل کو سمجھنے میں آسانی ہوتی ہے۔ مسلم نوآبادیوں کا مسئلہ یہ تھا کہ درج بالا تمام نکات کا جواب انہیں ''شریعت'' اور نفاذِ شریعت ہی سے دینا تھا کیونکہ استعماریوں کے خلاف جہاد کر کے آزادی حاصل کرنے کے بعد اگر وہی نظام باقی رہے جو استعماری دور میں تھے تو پھر یہ سب کچھ کرنے کا کیا فائدہ؟ لہٰذا ''متبادل نظام'' ان کی دانست میں ''شریعت'' ہی تھا جس میں مسلمانوں کے لیے ویسے بھی جذب و کشش موجود تھی اور سیاسی طور پر اس نام پر لوگوں کو اکٹھا کیا جا سکتا تھا۔ مسلمان ممالک میں مغرب کے جواب میں اسلامی آئیڈیالوجی (Islamic Ideology) کا یا اسلامی نظام حیات کا نعرہ لگایا گیا۔ یہ نعرہ اس سے مختلف نتائج رکھتا ہے جو اسلام کو ایک دین قرار دینے سے پیدا ہوتے ہیں۔ اسلامی آئیڈیالوجی کا مطلب یہ ہوا کہ دینِ اسلام کی تشریح مختلف نظاموں کو تشکیل دے کر ہونے لگی۔ مثلاً اسلام کا سیاسی نظام، اسلام کا معاشی نظام، اسلام کا تعلیمی نظام، اسلامی نظام حکومت، اسلامی نظام بینکاری وغیرہ۔ اس طرح اسلام کی ''جامعیت'' اور ''کلیت'' عدم وحدت کا شکار ہو گئی۔

سید قطب، حسن البناء، سید مودودی اور ابوالکلام آزاد: بیسویں صدی میں اسلامی فکر کی نمائندہ شخصیات

دوسری اہم بات یہ ہوئی کہ کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مسعود میں اسلام ایک ''دین'' تھا اور یوں خانوں میں نہیں بٹا ہوا تھا لہٰذا مسلمانوں نے مختلف نظام تشکیل دینے میں خلفائے راشدینؓ کی عملی روش اور عہد بنوامیہ و بنو عباس کے قضاۃ و حکام کے نظائر کو بھی ''اسلامی آئیڈیالوجی'' میں سمو لیا اس طرح انسانی انطباق و تشریح ''شریعت'' کا جزو بن گئی۔

تیسرا انتہائی اہم مسئلہ ''قانون'' اور ''شریعت'' کے بنیادی تصورات کا فرق تھا۔ مغرب میں قانونی روش سیکولر رہی ہے اس معنی میں کہ عوام ہی قانون بنانے والے اور قانون کو منسوخ کر کے دوبارا قانون عوامی مفاد میں وضع کرنے کے مکلّف ہیں جبکہ ''شریعت'' میں یہ حق علماء کے پاس ہیں جو اسے عوام کو تفویض کرنے کو بالکل تیار نہیں

پھر یہ کہ قانون متحرک و متغیر ہوتا ہے جبکہ ''علماء'' شریعت کو غیر متحرک اور ثابت سمجھتے ہیں۔ لہٰذا دونوں کی ماہیت اور نوعیت میں بعد المشرقین پایا جاتا ہے۔ چوتھے یہ کہ اس بات کا احساس علماء کو بہت بعد میں ہوا کہ ''نفاذِ شریعت'' کے نعرے کے پس پشت ایک اہم معاملہ خود ''شریعت'' کی تعریف کا ہے اور پھر اس کو بطور قانون نافذ کرنے نیز جدید مسائل سے جو مختلف علاقوں اور تہذیبوں میں پیدا ہو رہے ہیں نبرد آزما ہونے کے لیے ''شریعت'' کی کسی ایک تعبیر پر ٹھہر جانا ممکن نہیں۔

اس ضمن میں ایک اہم رویہ وہ تھا جسے مولانا ابوالکلام آزاد نے برصغیر کے تناظر میں بیان کیا ہے اور کافی حد تک اس دور میں بھی کم از کم وہ لوگ جو نفاذِ شریعت کا مطالبہ کرتے ہیں شریعت کے یہی معنی سمجھتے ہیں۔ ابوالکلام آزاد کہتے ہیں: مسلمانوں کا مطالبہ شرعی احکام کا مطالبہ ہے۔ اسلام کے احکام کوئی راز نہیں ہیں جن تک گورنمنٹ کی رسائی نہ۔ چھپی ہوئی کتابوں میں مرتب ہیں اور مدرسوں کے اندر شب و روز زیرِ تدریس رہتے ہیں۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ صرف اس بات کی جانچ کر لے کہ واقعی اسلام کے شرعی احکام ایسے ہی ہیں؟ (۵)

اس طرزِ فکر سے چند عملی و نظری مسائل ایسے پیدا ہوئے کہ ''نفاذِ شریعت'' کی یک معنویت کو ختم کیے بغیر چارہ نہیں رہا۔ ان میں سے چند اہم یہ ہیں:

۱- تمام مسلم ممالک مختلف مکاتب فقہ کے پیروکاروں پر مشتمل ہیں مثلاً حنفی، جعفری، مالکی، شافعی، حنبلی وغیرہ اور ہر مکتب فقہ کی کتابیں ''چھپی ہوئی'' موجود ہیں اور کوئی کسی ایک مکتب یا مختلف مکاتب کو خارج از اسلام نہیں سمجھتا تو پھر ''شریعت'' کا مطلب ایک ریاستی قانون کے تحت کیا ہے؟

۲- مغرب میں سیاسی نظام جمہوریت اور جمہوری اداروں کی شکل میں مستحکم ہوا جو قانون سازی کا ذمہ دار ہے۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ سیاسی نظام کی حیثیت سے مغربی جمہوریت اپنائی جائے گی یا پھر کیا صورت ہوگی؟ ''شریعت'' میں اس کا واضح جواب موجود نہ تھا لہٰذا بیشتر اسلامی ممالک میں جمہوریت کے ساتھ ''اسلامی'' کا سابقہ لگا کر کام چلا لیا گیا یا پھر سابقہ نظائر کے بل بوتے پر جمہوریت کو ہی ایک اسلامی تصور ثابت کرنے کی کوششیں ہوئیں اور ''جمہوریت'' مشرف بہ اسلام کی گئی۔

۳- لیکن ایک سوال اب بھی باقی ہے وہ یہ کہ ''نفاذِ شریعت'' میں پارلیمنٹ کو قانون سازی کا کتنا اختیار حاصل ہے کیوں کہ اس کے لیے ''شریعت بمعنی قانون'' کو متحرک و متغیر ماننا پڑتا ہے جبکہ وہ تو ''کتابوں میں لکھی ہوئی موجود ہے اور شب و روز پڑھائی بھی جا رہی ہے''۔ اگر پارلیمنٹ کو یہ سب کچھ نہیں کرنا تو اس کا فائدہ ہی کیا، یہ محض بے مقصد اجتماع بن جاتا ہے۔

۴- نفاذِ شریعت کے عملی مسائل میں دیوانی و فوجداری قوانین جو کسی ایک فقہی مکتب کے تحت تشکیل پائے ہوں، معاشرتی مسائل کے حل کے لیے ناکافی ثابت ہوتے ہیں لہٰذا مصر، تیونس، مراکش وغیرہ میں نفاذِ شریعت کا تجربہ دوسرے فقہی مصادر کی طرف رجوع کے ذریعے جزوی طور پر کامیاب ہوا۔

۵- معاشی نظام کی تشکیل ابھی تک نہیں ہو سکی۔

۶- سائنسی تحقیقات نے دیوانی اور فوجداری قوانین کے بہت سے پہلوؤں پر نظرِ ثانی کو لازمی بنا دیا ہے لیکن علماء کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ شریعت کو غیر متبدل سمجھتے ہیں اور پارلیمنٹ کو اجتہاد کا حق دینے کو تیار نہیں۔

ہمارے ملک پاکستان میں اس وقت نفاذِ شریعت کی جو تحریکیں چل رہی ہیں ان کے قائدین کو اس کے عملی و نظری مسائل کا تلاش کرنا چاہیے پھر اس سمت میں پیش قدمی کرنی چاہیے۔

حواشی

(۱) The Debate on Colonialism and History, J.M, A.Blaut, J. M, Africa World Press, 1992, p. 3-4

(۲) Blaut, p. 37- 38

(۳) A Short History: Karen Armstrong, Islam, Phonixs 2002, p.123

(۴) یادوں کی امانت، عمر تلمسانی، ص: ۵۸، ترجمہ حافظ محمد ادریس، البدر پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۸۶ء

(۵) مسئلہ خلافت، ابوالکلام آزاد، ص: ۲۰۵، مکتبہ جمال، لاہور، ۲۰۰۶ء